اردو اور عربی شاعری میں مناظرِ فطرت
مجید امجد اور محمود شعبان کی شاعری کی روشنی میں

ڈاکٹر تغرید محمد البیومی السید
اسسٹنٹ پروفیسر اردو، جامعہ ازہر، مصر

NATURAL ELEMENTS IN ARABIC AND URDU POETRY IN LIGHT OF MAJEED AMJAD AND MAHMOUD SHABAN'S POETRY

Taghreed Muhammad al-Bayoomi, PhD
Assistant Professor of Urdu
Al-Azhar University, Cairo-Egypt

Abstract

Mahmoud Shaban is one the renowned poets of modern day Arabic language. He is widely read and referred for his treatment of elements of natural phenomena in his poetry. He has composed on various issues but elements of natural phenomena are very close to his heart. Majeed Amjad is one of the great poets of modern Urdu. He has also written on natural phenomena. Many similarities are found in both Shaban and Amjad's poetry. This article is a comparative study of dealing of natural elements by Arabic poet Shaban and Urdu poet Majeed Amjad.

Keywords:

مجید امجد، محمود شعبان، اردو، عربی، مصر، اندلس، شعر، پاکستان، مناظرِ فطرت، نظامِ شمسی

فطرت اللہ تعالی کی کاریگری ہے جسے اللہ نے انسان کے لیے خوبصورت اور عمدہ بنایا ہے تا کہ وہ دنیا میں غور وفکر کر سکے، انسانی فکر کو وجود بخشنے میں فطرت کا بہت اہم کردار ہے، اور خاص طور سے شعرا کے لیے اس کا کردار بہت اہم ہوتا ہے، کیونکہ شاعر کی قدرت خاص ہوتی ہے، اور اس کا احساس بہت لطیف ہوتا ہے، اسی وجہ سے متعدد شعرا کے نزدیک فطرت ہی افکار و معانی کے نزول کا مصدر و منبع ہوتی ہے، لہذا ہر شاعر اپنے خاص نظریہ، ماحول کے اعتبار سے ہی اپنی بات کو پیش کرتا ہے، پھر وہ اس فطرت کو اپنے احساسات ومشاعر کو پیش کرنے اور اپنے پیغام کو دوسرں تک پہنچانے کا وسیلہ بناتا ہے۔

مختلف زمانوں میں شعرا نے فطرت پہ کام کیا ہے اور مختلف اوصاف کے ذریعہ فطرت کے مظاہر میں غور وفکر کیا ہے، عربی کے جاہلی شعرا کے نزدیک خوبصورتی کے آثار ان کے ماحول میں ہیں، اسی وجہ سے وہ اپنے ماحول کی جزوی تصویر کشی کرتے ہیں، اور یہی سبب ہے کہ ان کے اشعار میں تشبیہی اور استعاراتی خوبصورت نقوش پائے جاتے ہیں اور جاہلی شعرا کے قصائد میں فطرت کا وصف تمہید کے طور پہ ملتا ہے۔

جاہلی شاعر کا وصف جزوی اور تفصیلی ہوتا ہے، کیونکہ وہ قوت خیال پہ اعتماد کرتا ہے۔ وہ فطرت کے زندہ اور جامد کے ہر مشاہدے کی تصویر کشی کرتا ہے، جس میں وہ اونٹنی، گھوڑے، اور نیل گائے کے ہر وصف کو بڑی دقت اور باریکی کے ساتھ بیان کرتا ہے، ایسے ہی وہ پہاڑوں، چٹانوں، تیز ہواؤں کی سنسناہٹ، اور برسات وغیرہ کو بیان کرتا ہے۔ لیکن اس کا یہ وصف ہمیشہ حسی رہا ہے جو مشاہدات و مرئیات پہ منحصر رہا ہے، وجدان واحساسات تک سرایت نہیں کیا۔ مطلب یہ ہے کہ وجدان واحساسات کے اعتبار سے شاعر جو چیزیں اپنے اردگرد پاتا ہے پھر ان کو بیان کرتا ہے تو مشاہداتی اور مرئی وصف اس وجدانی وصف سے مخلوط نہیں ہوتے۔

تصویر کشی کے اس عظیم مادے کے باوجود شاعر کے احساسات میں فطرت صادقہ وجدانیہ شریک نہیں ہوتی ہے۔ جب فارسی ثقافتی آثار عربی ادب میں داخل ہوئے تو فن" وصف" ترقی پذیر ہوا، یہاں تک کہ عصر عباسی میں مستقل فن میں تبدیل ہو گیا۔ شعرا نے باغات، پھولوں، اور حدائق کا باقاعدہ وصف بیان کرنا شروع کر دیا، اور شعر کی قدرت کا خاص باب باندھا، اس طرح سے فطرت کے وصف کا دائرہ وسیع ہو گیا، اور وہ اوصاف جنھیں عربی شعرا نے استعمال کیا تھا وہ تغیر پذیر ہو گئے۔

اندلس کے شعرا نے ماحول کے بارے میں بڑی دلچسپی دکھائی، اور فطرت کے وصفِ جمال اور اس کے پر کشش مناظر کی تصویر کشی میں انوکھا کام انجام دیا، حتی کہ ان کی دلچسپی یہاں تک بڑھ گئی کہ ان کے وصف کی طرف شدید میلان نے انھیں پھولوں کے درمیان مناظرہ کی مجلسیں قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔ جس میں بلاغت اور موسیقی اپنے عروج پہ ہوا کرتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ موسیقی گہرائی اور عمق سے خالی ہوتی تھی۔

اس طرح سے فطرت میں ان کے اشعار کی چمک دمک کو امتیازی خصوصیت حاصل ہوگئی۔ جہاں تک اردو زبان کا معاملہ ہے، اس زبان میں فطرت کے مظاہر فارسی سے مآخوذ ہیں، پھر رومانوی اشعار کی ترقی کی وجہ سے اردو زبان میں قدرتی اشعار کی ترقی ہوئی جو ابھی تک جاری ہے۔ اس کا بنیادی سبب ہندوستان کے ساکن اور مصنوعی تمدن کا (جو انیسویں صدی تک جاگیردارانہ تھا) مغربی ترقی پذیر سرمایہ دارانہ نظام سے ٹکراؤ اور تصادم ہوا جس نے ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقات کو ذہنی اور جذباتی طور پر بیدار اور آزاد کردیا۔ (۱) اس کے ساتھ ہی جمہوری سیاست کی انفرادیت اور انگریزی تعلیم کے ساتھ مغربی رومانوی تحریک کے اثرات بھی ہندوستان میں سرایت کر گئے جس نے نوجوان طبقے کے ذوق، تخیل، وجدان اور جذبہ حب الوطنی کو مہمیز لگائی۔ (۲)

فطرت کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: فطرت کے جامد عناصر پر مشتمل ہے۔ یعنی کائناتی مظاہر کے عناصر جیسے سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، نہریں، نباتات وغیرہ ہیں۔

دوسری قسم: قدرت کے زندہ عناصر ہیں جیسے پرندے حشرات، اور جانور وغیرہ۔

محمود شعبان اور مجید امجد کا زمانہ بہت قریب رہا ہے۔ اس زمانے میں دونوں کے ملکوں میں سیاسی اور سماجی حادثات بہت زیادہ رونما ہوئے۔ اسی وجہ سے دونوں شاعروں نے وصفِ فطرت کا خوب اہتمام کیا ہے۔

محمود شعبان

محمود شعبان تحریک تجدید کے قائدین میں سے ایک ہیں۔ ان کے شعری اسلوب میں صدقِ وجدانی، نشاط، عربی اصالت، نغمگی پائے جانے کی وجہ سے ان کے اسلوب کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ ان کی زندگی متعدد سیاسی اور سماجی حادثات سے متاثر ہوئی، جن میں بہت سارے حادثات کو انھوں نے اپنی شاعری میں ذکر کیا ہے۔ ان کی نظموں سے اس بات کا پتا چلتا ہے، کہ ان کی نظمیں انسانی ہمدردی میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ "ماحول" کا ایک بڑا حصہ ان کی شاعری میں پایا جاتا ہے، جس کو انھوں نے بہت سی نظموں میں بیان بھی کیا ہے، اسی طرح انھوں نے اپنے اشعار میں "وصف" کا بھی اہتمام کیا ہے، اور رومانوی نظمیں بھی کہی ہیں۔

ان کے کارناموں میں: رات، ستارے، متحیر سانسیں، بلبل کے گانے، محبت کی پیاس کے علاوہ اور بھی بہت سی ممتاز نظمیں ہیں۔

محمود شعبان نے عربی شاعری کو "تغرید" جیسا عظیم دیوان عطا کیا، اس کے علاوہ ان کے بہت سا کام ''رسالہ''، ثقافت، "ہلال" "مطاف" جیسے مجلّوں رسالوں اور اخبارات میں شائع ہوا۔ (۳)

مجید امجد

مجید امجد ۲۹ جون ۱۹۱۴ء کو جھنگ میں پیدا ہوئے۔ (۴) ان کا تعلق ایک متوسط طبقے سے تھا۔ ان کی عمر صرف دو سال تھی جب ان کی ماں اور والد میں خاندانی تنازع کے باعث علیحدگی ہو گئی۔ ان کی والدہ انھیں لے کر میکے چلی آئی اور اپنے لخت جگر کی پرورش کرنے لگی۔ مقامی مسجد کے خطیب سے انھوں نے عربی اور فارسی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ مجید امجد کی تعلیم و تربیت ان کے ننھیال میں ہوئی۔ اسلامیہ ہائی سکول جھنگ صدر سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ تاریخی تعلیمی ادارے گورنمنٹ کالج جھنگ میں داخل ہوئے اور یہاں سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ گورنمنٹ کالج جھنگ کی علمی و ادبی فضا نے ان کی ادبی صلاحیتوں کو صیقل کیا۔ جھنگ میں اس زمانے میں کوئی ڈگری کالج نہ تھا اس لیے وہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں داخل ہوئے اور ۱۹۳۴ء میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔

اس کے بعد وہ جھنگ آ گئے اور یہاں کے مقامی مجلّے ہفت روزہ "عروج" کی مجلس ادارت میں شامل ہو گئے۔ انھوں نے ۱۹۳۹ء کے وسط تک بہ حیثیت مدیر ہفت روزہ عروج جھنگ میں خدمات انجام دیں۔ اس زمانے میں پورا برصغیر برطانوی استبداد کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں جب دوسری عالمی جنگ کا آغاز ہوا تو غاصب برطانوی حکم رانوں نے اپنی جنگ میں برعظیم پاک و ہند کے مظلوم عوام کو بھی جھونک دیا۔ یہاں کے بے بس عوام پہلی عالمی جنگ کے زخم خوردہ تھے۔ اب اس نئی افتاد سے ان پر جو کوہ الم ٹوٹا اس نے ان کو یاس و ہراس میں مبتلا کر دیا۔ ہوائے جور و ستم کی اس مہیب رات میں بھی حریت فکر کے مجاہدوں نے شمع وفا کو بجھنے نہ دیا۔ مجید امجد نے ہفت روزہ عروج جھنگ کے مدیر کی حیثیت سے حریت فکر و عمل کا علم بلند رکھا اور حریت ضمیر سے جینے کے لیے ہمیشہ اسوۂ شبیر کو زاد راہ سمجھا۔ مجید امجد کی ادارت میں مجلّہ عروج نے بہت ترقی کی اور اس کی اشاعت میں بھی بہت اضافہ ہوا۔ یہ مجلّہ باذوق قارئین ادب کے پاس ڈاک کے ذریعے جھنگ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، شورکوٹ، چنیوٹ، کبیر والا، خانیوال، عبدالحکیم، مظفر گڑھ، فیصل آباد، بھکر، میاں والی، خوشاب، گڑھ مہاراجہ اور سرگودھا کے دور دراز مقامات تک ارسال کیا جاتا تھا اور اسے نہایت دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا۔ اس مجلّے کی مقبولیت کا سبب یہ تھا کہ اس میں مجید امجد کے تجزیاتی اور تنقیدی مضامین، ادب پارے، حالات حاضرہ پر تبصرے اور شاعری مسلسل شائع ہوتے تھے۔ مجید امجد نے تیشۂ حرف سے فصیل جبر کو منہدم کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ مجید امجد نے اپنی تحریروں سے قارئین میں عصری آگہی پیدا کی اور عوام میں حالات حاضرہ کے بارے میں مثبت شعور و آگہی پروان چڑھانے کی سعی کو اپنا نصب العین بنایا۔ خاص طور پر جلیاں والا باغ، موپلوں کی جد و جہد، بھگت سنگھ کے جذبۂ آزادی، حادثہ مچھلی بازار کان پور جیسے موضوعات پر عروج میں نظم و نثر کی جو تخلیقات شامل اشاعت ہوئیں ان سے جبر کے ایوانوں پر

لرزہ طاری ہو گیا۔ ظالم و سفاک ،موذی و مکار، استبدادی و استحصالی قوتیں اور مفاد پرست ،ابن الوقت بیوروکریسی نے اس مجلّے کی انتظامیہ کو اپنی انتقامی کارروائیوں سے ہراساں کرنا شروع کر دیا۔

دوسری عالمی جنگ میں جب برطانوی حکومت نے اپنے ذاتی مفادات کے لیے اس خطے کے مظلوم اور بے بس و لاچار عوام کو جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا تو مجید امجد نے اس کے خلاف ایک نظم لکھی جو عروج کے صفحۂ اول پر شائع ہوئی۔ اس نظم میں انھوں نے اپنے رنج و غم اور عوامی غیظ و غضب کو اشعار کے قالب میں ڈھالا۔ اس نظم کی اشاعت پر مقتدر برطانوی حلقے بہت سیخ پا ہوئے اور مجید امجد کو عروج کی ادارت سے الگ ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایک زیرک، فعال، مستعد اور حریت فکر کے مجاہد سے متاع لوح و قلم چھین کر اور آزادیِ اظہار پر قدغن لگا کر فسطائی جبر نے یہ سمجھ لیا کہ اب ان کے اقتدار کی راہ میں کوئی حائل نہیں ہو سکتا مگر وہ تاریخ کے مسلسل عمل سے بے خبر تھے۔ اگر زبان خنجر خاموش بھی رہے تو آستین کا لہو پکار پکار کر ظلم کے خلاف دہائی دیتا ہے۔

مجید امجد کی شادی ۱۹۳۹ء میں اپنے چچا کی بیٹی سے ہوئی۔ یہ خاتون گورنمنٹ ہائی سکول برائے طالبات جھنگ صدر میں ٹیچر تھیں۔ تقدیر کا المیہ یہ ہے کہ یہ قدم قدم پر انسانی تدبیروں کی دھجیاں اڑاتی ہے۔ مجید امجد کے ساتھ بھی مقدر نے عجب کھیل کھیلا۔ ان کی یہ شادی کامیاب نہ ہو سکی اور اس کے بعد جدائی کا ایسا غیر مختتم سلسلہ شروع ہوا جس نے مجید امجد کو خود نگر اور تنہا کر دیا۔ مسلسل اٹھائیس سال تک ان کے درمیان ربط کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ مجید امجد کی کوئی اولاد نہ تھی۔ مجید امجد نے ۱۱ مئی ۱۹۷۴ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ (۵)

مجید امجد کا پہلا شعری مجموعہ شب رفتہ ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔ ان کا دوسرا شعری مجموعہ شب رفتہ کے بعد ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔ مجید امجد کی تمام شاعری پر مشتمل کلیات مجید امجد کی اشاعت ۱۹۸۹ء میں ہوئی۔ مجید امجد کی شاعری کو علمی و ادبی حلقوں کی طرف سے زبردست پذیرائی ملی۔ انھیں اردو کے علاوہ انگریزی، عربی، فارسی اور ہندی پر عبور حاصل تھا۔ وہ تراجم کے ذریعے دو تہذیبوں کے مابین ربط کی ایک صورت پیدا کرنے کے متمنی تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ عالمی کلاسیک کے تراجم کے ذریعے ادب اور زبان کی توسیع کے عمل کو مہمیز کیا جائے۔ اس تمام عمل کے معجز نما اثر سے وسعت نظر پیدا ہو گی اور ادب میں آفاقیت کا عنصر نمو پائے گا۔ انھوں نے عالمی ادبیات کا وسیع مطالعہ کر رکھا تھا۔ انھوں نے انگریزی ادب اور امریکی ادب کی نمائندہ شعری تخلیقات کو ترجمے کے ذریعے اردو کے قالب میں ڈھالنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس سلسلے میں ان کی مساعی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اپنی شاعری کے ذریعے فلسفیانہ مسائل کی گہرائی اور وسعت سے قاری کو آشنا کرنے میں ان کے متنوع تجربات ان کی انفرادیت کے مظہر ہیں۔ (۶)

مجید امجد اور محمود شعبان کی شاعری میں فطرت کے جامد عناصر

ماحول کے جامد عناصر سے مراد کائناتی مظاہر ہیں جیسے: سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، نہریں، نباتات جنگلات وغیرہ۔ یہی جامد مظاہر ہیں جنھیں شعرا نے اپنے شعروں میں استعمال کیا ہے۔ مجید امجد اور محمود شعبان دونوں نے بھی اپنے اشعار میں قدرت کے جامد مظاہر کو بیان کیا ہے، اور انھیں اپنے اشعار کا محور بنایا ہے۔

دونوں نے جس ماحول میں زندگی گزاری، اس ماحول سے بہت متاثر ہوئے۔ اپنے ماحول کے طبعی حسن وجمال کو انھوں نے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے، مثلاً ہوا، پانی، رات، دن، ستارے اور سیارے، نباتات، سال، موسم، اور جنگلات وغیرہ کو بیان کیا ہے اور ان مظاہر کو اس ترتیب کے ساتھ اپنے اشعار میں جگہ دی ہے۔ (۷)

ا۔ پانی ''غدیر: بہتا پانی''

محمود شعبان نے "غدیر" کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے جس میں وہ غدیر کے پانی کے حوالے سے بات کرتے ہیں اور بڑے خوبصورت انداز میں اس پانی کو بیان کیا ہے جو پانی کھیتوں کے بیچوں بیچ بہتا ہوا، درخت اور پھول کو سیراب کرتا ہوا، ایک نالی سے دوسری نالی میں گرتا ہے، یا ایک نہر سے دوسری نہر میں گرتا ہے۔

علی صفحتیک تلوح النجوم   وفوق جبینک یلهو القمر
میاهک راکدة کالهموم !   أأضنی میاهک طول السهر؟
ترف علیها طیوف النخیل
وترقص فیها ظلال الغصون
وتنساب منهوکة کالعلیل
طواه الأسی واحتواه السکون
تلف الحقول وتطوی القری   ومالک من صاحب أو رفیق
أما یا غدیر سئمت السری   وبعد المطاف وطول الطریق
فأیان تلقی غبار المسیر!
وأنی تلبی ندا العدم
وحتام تحیا حیاة الأسیر
وفیها الملال ومنها السأم!

طويت السنين ولما تزل   فتيا كما كنت منذ القدم
کأنک فی الأرض نور الأمل   ينير الدياجی ويمحو الظلم
تقبلک الوردة الهائمة
وترشف من فيک معنی الأمل
وتغضی فتحسبها نائمه
ولکنها أسکرتها القبل (۸)

محمود شعبان کہتا ہے: اے پانی! تمھارے ساحل پہ ستارے چمکتے ہیں، تمھاری پیشانی پہ چاند کھیلتا ہے، تمھارے ٹھہرے ہوئے پانی باہمت ہیں۔ کیا انھیں شب بیداری کی طوالت تھکاتی نہیں ہے؟ اے پانی! تمھاری سطح پہ کھجور کی شکل نظر آتی ہے، اور تمھارے اوپر اس کی ڈالیاں رقص کرتی ہیں، اے پانی! تم ٹھنڈی ٹھنڈی باد سحر کی طرح بہتے ہو، سکون و امید کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہو، کھیتوں اور آبادیوں کو گھیرے ہوئے ہو، تمھارا کوئی دوست نہیں ہے، اے غدیر! کیا تم بُعدِ مسافت اور راستے کی طوالت سے نہیں تھکتے؟ سیر کے غبار کو کہاں ڈالتے ہو؟ معدوم کی آواز پہ کب تک لبیک کہتے رہوگے؟ کب تک قیدی کی زندگی گزاروگے؟ یہ زندگی بڑی پریشان کن اور بے کار کی زندگی ہے۔ سالہا سال تم پہ گزر جاتے ہیں اور تم پہلے ہی کی طرح جوان دِکھتے ہو گویا کہ تم زمین پہ امید کی کرن جگا رہے ہو، ظلمت کو روشنی میں تبدیل کر رہے ہو، تاریکی کو ختم کر رہے، سرگرداں پھول تمھیں بوسہ دیتے ہیں، اور تمھارے دہن سے امید کی کرن روشن کرتے ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں کو بند کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نیند کی آغوش میں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمھارا بوسہ انھیں مست کیے ہوئے ہے۔

محمود شعبان نے سمندر کے بارے میں بھی ایک نظم لکھی ہے جس کا عنوان " اے سمندر" رکھا ہے۔

متعت نفسک بالجمال مجردا   وتشابهت فيک الضلالة بالهدی!
وغدا نهارک للصباحة معرضاً   وبدأ مساؤک للملاحة موعدا
فهنا الخيال حقيقة ملموسة   وهنا الحقيقة کالخيال مجسدا
فاجعل مياهک للصبابة مرتعا   واجعل رمالک للأحبة مرقدا!
واضحک کما ضحک الهوی من شاعر   ظمآن فی شطيک أهلکه الصدی! (۹)

شاعر کہتا ہے: اے سمندر! تم نے خود کو کتنا حسین وجمیل بنا رکھا ہے، ہدایت اور گمراہی تیرے در پہ آ کر مشتبہ ہوگئے، تمھارا دن تفریح کرنے والوں کے لیے وسیع وعریض میدان ہے، تمھاری شام ملاح کے وعدہ کی جگہ ہے، تمھارا خیال ایک ٹھوس حقیقت ہے، جب کہ تمھاری حقیقت ہماری خیال کی طرح ہے۔ لہذا اپنے پانی کو

شوق و محبت کے پیاسوں کے لیے پنگھٹ بنا دو، اور اپنی ریت کو عشاق کے لیے مرقد بنا دو، اور ہنسو جیسے کہ پیاسے شاعر پہ عشق مسکرایا، وہ پیاسا شاعر جسے شدید پیاس نے تمھارے ساحل پہ ہلاک کر دیا۔

مجید امجد نے بھی "نیلے تالاب" کے عنوان سے نظم کہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

سب اس گھاٹ پہ اک جیسے ہیں
جب سے نیل گگن کی ٹینکی سے پانی برسا ہے،
جب سے سات سمندر، سات بھرے ہوئے ٹب، پانی کے
اس آنگن میں رکھے ہیں،
پہلے بھی سب لوگ اس گھاٹ پہ اک جیسے تھے،
اور ۔۔۔اب بھی، اس کالے نل میں، جب سے
کھٹ سے، کھنچ کر آنے والا پانی
چھک سے گرنے لگا ہے،
چکنی اینٹوں والے گھاٹ پہ، سارے خدا اور سارے فرشتے اور سب روحیں
اپنے غرور کی اس پھسلن میں اک جیسی ہیں،

اے شہرِ ابد کے واٹر ورکس کے رکھیا،
دلوں کی صدرخ نکی میں اپنی سطحیں ہموار نہ رکھ سکنے والے سب پانی،
سارے مقدس پانی
کس طرح تیرے نیلے تالابوں میں آ کر یک سو ہو جاتے ہیں، (۱۰)

۲۔ رات اور دن

محمود شعبان نے کچھ اشعار رات پر کہے ہیں اور اس نظم کو "شرید" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

شاعر نے رات کا استعمال ایک ایسی منظر کشی میں کیا ہے جس میں انسان کا غم و حزن بڑھتا ہی جاتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان رات کو لمبی سمجھنے لگتا ہے اور یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ اب صبح نہیں ہوگی۔ شعرا کو بھی دوسروں کی طرح رات میں بہت سارے غم و رنج لاحق ہوتے ہیں۔ رات اور دن ان کے لیے درد و الم کی صورت میں بدل جاتے ہیں پھر رنج اور ناامیدی انھیں گھیر لیتی ہے:

یا لیل هذا شرید تائه تعس   یحوطه الصمت فی وادیک والغلس

شاعر کہتا ہے: اے رات! تیری وادی میں اس بے ٹھکانہ سرگرداں بد بخت کے اردگرد ہر جگہ سخت تاریکی چھائی ہوئی ہے۔

أأنت يا ليل موج ضل غايته   تطوى دياجيه من عاشوا ومن درسوا؟
فكيف يا ليل لم تفرح بمن سعدوا   وكيف يا ليل لم تحزن لمن تعسوا؟
سيان عندک من باتوا على أمل   فيه النعيم... ومن يا ليل قد يئسوا !(۱۱)

اسی نظم میں دوسری جگہ شاعر رات کے ساتھ بات کرتے ہوئے کہتا ہے: اے رات! کیا تم سمندر کی موج کی طرح ہو جو اپنا مقصد بھول گئی ہے جس کی تاریکی اس میں جینے والوں اور پڑھنے والوں کو گھیری ہوئی ہے؟ پھر اے رات! کس طرح تم خوش ہونے والوں کی خوشی میں شریک نہیں ہوتی؟ اور غمگین ہونے والوں کی غمگینی میں شریک نہیں ہوتی؟ پر امید، ناامید دونوں تمھارے نزدیک برابر لگتے ہیں۔

محمود شعبان نے ''لیل'' کے نام سے بھی ایک نظم کہی ہے جس میں اس نے رات کے سناٹے اور اس کے سکون کو بیان کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

يا نجم ماذا في الدجى أعجبک؟   والليل يا نجم عباب القدر
أأنت يا نجم تحب الحلک؟   أم أنت مثلي مولع بالسهر؟

يا ساهدا لم يدر معنى الكرى
كن مؤنسي ... اني وحيد هنا
أما تراني قد هجرت الورى
فليت أني قد هجرت الدنا

أليۂ يا نجم قل للسحر: تعال ! اني قد سئمت الغلس
ما في الدجى من متعة للبصر   وليس في واديه الا الخرس

يا راقداً حفت به العافيه
وداعبت أجفانه الحالمه
ألم تثر أشجاني الباكيه
لفح الأسى في نفسک الناعمه؟ (۱۲)

اے ستارے! کیا تم سخت تاریکی پسند کرتے؟ یا تم بھی میری طرح ہو جو شب بیداری کو پسند کرتا ہے، اے نیند کی لذت سے غافل شب بیداری کرنے والے! میرے مونس وغمخوار بن جاؤ کیونکہ میں تنہا ہوں، کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ میں نے سارے لوگوں کو الوداع کہہ دیا ہے، اے کاش! میں پوری دنیا کو الوداع کہہ دیتا، اے ستارے! صبح سے کہو کہ وہ نمودار ہو، کیونکہ میں رات کی تاریکی اور چراغ کی روشنی سے تھک چکا ہوں، رات کی تاریکی میں آنکھ کے لیے کوئی لطف اندوز چیز نہیں ہے، اور رات کی اس وادی میں گونگے لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

مجید امجد نے بھی قدرت کے جامد عناصر کے وصف میں ایک نظم کہی ہے جس کا نام صبح و شام رکھا ہے۔ ''صبح و شام'' کے عنوان سے بھی صبح سے لے کر طلوعِ شمس کے وقت تک کے بارے میں ایک نظم لکھی ہے۔ یہ نظم جمال وصف اور تصویری شاعری کے استعمال میں انوکھی کاریگری کا پتا دیتی ہے۔ شاعر کہتا ہے:

تجھ کو خبر ہے کتنی صبحیں
کتنی صبحیں بن گئیں شامیں
آرزوؤں سے مہکی صبحیں
بن کے پرائی پیاسی شامیں
ڈوب رہی ہیں ڈوب چکی ہیں
وقت کے طوفانی دریا میں
کتنی صبحیں کتنی شامیں

اب بھی رواں ہے ناؤ میری
اب بھی رواں ہے دھیرے دھیرے
دور ہے امیدوں کا کنارا
دور ہیں ارمانوں کے جزیرے
دور، اُفق سے دُور، وہ دُنیا
جس کی فضا میں جھومیں چھائیں
نوریں صبحیں، رنگیں شامیں

ان صبحوں کو ان شاموں کو
کون مری دُنیا میں لائے
ہائے میری دُکھیا دنیا
جس کے اُجالے بھی ہیں سائے
وہ سائے جن کی ظلمت کو
سونپ چکی ہیں اپنی نگاہیں
میری صبحیں میری شامیں (۱۴)

اسی طرح مجید امجد نے صبح کے وصف میں بھی ایک نظم لکھی ہے۔ جس میں وہ کہتا ہے:

کیا گریباں چاک صبح کیا پریشاں زلف شام
وقت کی لامنتہی زنجیر کی کڑیاں تمام(۱۴)

اسی طرح مجید امجد نے "صبح کے اجالے میں" صبح کے وصف میں بھی ایک نظم لکی ہے۔ جس میں وہ کہتا ہے:

تو نے، ہم سفر، دیکھا،
صبح کے اجالے میں
راہ کا سہانا پن !

دائیں بائیں، دو رویہ،
شادماں درختوں کی،
جھومتی قطاریں ہیں
ہر قدم کے وقفے پہ
دھوپ کی خلیجیں ہیں
چھاؤں کے جزیرے ہیں

جس طرف کو سورج ہے،
اس طرف، درختوں کی
شبنمیں جبینوں پہ
تیرگی کا پرتو ہے !
تیرگی کے پرتو کا
رخ ہماری جانب ہے
جس طرف کو سورج ہے
اس کی دوسری جانب
سر بلند پیڑوں کی
شبنمیں جبینوں پہ
روشنی کا پرتو ہے

روشنی کے پرتو کا
رخ ہماری جانب ہے

تو نے ہم سفر دیکھا
دُھوپ ہے کہ سایا ہے
رہرووں کی مایا ہے
دُور دُور تک ---رستا
دُور دُور تک ---دنیا
دور دور تک --- سب کچھ
اک عجب سہانا پن ---
صبح کے اجالے میں(۱۵)

ایسے ہی اس نے "اے ری صبح" کے عنوان سے بھی ایک نظم لکھی ہے۔ کہتا ہے:

اے ری صبح کی اجلی زرق برق گزرگاہوں پہ چیختی..... اڑتی ..... بے بس خوشبو،
یہ نفرت کی سلطنت تجھ کو بھی تو خرید سکتی ہے،
تو نے یہ تو دیکھا ہوتا تیرا نظر نہ آنے والا بدن کن کن بدنوں پہ لباس ہے،
تجھ سے اور کیا ہو سکتا تھا،
اس طرح اب جن پیرہنوں نے تجھ کو جھٹک دیا ہے،
تو نے ان کی تجل کریزوں پہ یوں ٹوٹ کے گرنا ہی تھا،
کیسی ہیں یہ بے پردگیاں جن میں سچ کی رمزوں کی پسپائی ہے!

....

اے اس دنیا کی اچھائیوں کے تت ست میں پنپنے والی روحوں کی روح،
کبھی تو تو ان باغوں سے بھی گزرتی،
جہاں وہ مہکتے پھول نہیں کھلتے جو دوزخوں کی ٹھنڈک ہیں، (۱۶)

۳۔ نباتات

محمود شعبان نے پھول کے بارے میں ایک نظم لکھی ہے، وہ کہتا ہے:

والكون نشوان، والأنسام حاملة! والورد يشكو حبيبا قد تصباه(۱۷)

یعنی کائنات نشے میں ہے، روحیں بوجھ ڈھونے والی بنی ہیں، گلاب کا پھول محبوب سے شکایت کرتا ہے۔

ایسے ہی محمود شعبان نے ایک اور نظم ''انفاس حائرۃ'' کے عنوان سے لکھی ہے۔ جس میں وہ باغیچہ اور پھولوں کے بارے میں کہتا ہے:

الروض مقصدنا وغا   یتنا المغانی الحالیة
حیث الأزاهر والمزا   هر والطیوب الزاکیة
والجدول الهیمان یج   ری بینها کالعافیة(۱۸)

ہمارا مقصد اور ہماری انتہا وہ باغ ہے جس میں پھول کھلے ہوں، اسی طرح اس باغ میں پھول کے گملے ہوں، خوشبو دار ہوا ہو، اس میں پانی ایسے ہی بہہ رہا ہو جیسے کہ رگوں میں خون بہا کرتا ہے۔

مجید امجد نے درختوں کو نہ کاٹ کر فطرت کی حفاظت کے بارے میں مختلف اسلوب کے ساتھ ایک نظم کہی ہے جس میں اس نے درختوں کے جمال کو ظاہر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ درخت شہروں کی روح ہیں۔ وہ اپنی نظم "توسیع شہر" میں کہتا ہے:

تیس برس سے کھڑے تھے جو اس گاتی نہر کے دوار
جھومتے کھیتوں کی سرحد پر، با نکے پہرے دار
گھنے سہانے، چھاؤں چھڑکتے، بور لدے چھتنار
تیس ہزار میں بک گئے سارے ہرے بھرے اشجار

جن کی سانس کا ہر جھونکا تھا ایک عجیب طلسم
قاتل تیشے چیر گئے ان ساونتوں کے جسم

گری دھڑام سے گھائل پیڑوں کی نیلی دیوار
کٹتے ہیکل، جھڑتے پنجر، چھٹتے برگ و بار
سہمی دُھوپ کے زرد کفن میں لاشوں کے انبار
آج کھڑا میں سوچتا ہوں اس گاتی نہر کے دوار

اس مقتل میں صرف اک میری سوچ، لہکتی ڈال
مجھ پر بھی اب کاری ضرب اک، اے آدم کی آل (۱۹)

مجید امجد نے ”نرگس“ کے بارے میں ایک نظم لکھی ہے:

میں نے حسرت بھری نظروں سے تجھے دیکھا ہے
جب تو روز، اک نئے بہروپ میں، روز اک نئے انداز کے سات
اپنی ان گاتی ہوئی انکھڑیوں کی چشمکِ طناز کے سات
روز اک تازہ صنم خانۂ آہنگ میں در آئی ہے!
ایکٹریس! روپ کی رانی! تجھے معلوم نہیں،
کس طرح تیرے خیالوں کے بھنور میں جی کر
کن تمناؤں کا تلخابۂ نوشیں پی کر
میں نے اک عمر ترے ناچتے سایوں کی پرستش کی ہے
تو نے اک عظمتِ صد رنگ سے جس جذبے کو
آج تک اپنے لیے مژدۂ ہزار اشک سمجھ رکھا ہے
وہ محبت مرے سینے میں تڑپتی ہوئی اک دنیا ہے
جو ترے قدموں کی ہر چاپ پہ چونک اُٹھتی ہے

کاش میں بھی وہی اک عکس درخشاں ہوتا
دلِ انساں سے ابھرتی ہوئی موہوم تمناؤں کا عکس
ایک مانگی ہوئی اچکن میں سمایا ہوا ماموریغاں شخص
جس کے پہلو میں تری روح دھڑک سکتی ہے (۲۰)

اسی طرح مجید امجد نے ہری بھری فصلوں کے بارے میں بھی ایک نظم لکھی، کہتا ہے:

ہری بھری فصلو
جُگ جُگ جیو، پھلو
ہم تو ہیں بس دو گھڑیوں کو اس جگ میں مہمان
تم سے ہے اس دیس کی شوبھا، اس دھرتی کا مان
دیس بھی ایسا دیس کہ جس کے سینے کے ارمان
آنے والی مست رتوں کے ہونٹوں پہ مسکان
جھکتے ڈنٹھل، پکتے بالے، دُھوپ رچے کھلیان

ایک ایک گھر ونڈا خوشیوں سے بھر پور جہان
شہر شہر اور بستی بستی جیون سنگ بسو!
دامن دامن، پلو پلو، جھولی جھولی ہنسو
چندن روپ سجو!
ہری بھری فصلو!
جگ جگ جیو، پھلو!
قرنوں کے بجھتے انگار، اک موج ہوا کا دم
صدیوں کے ماتھے کا پسینہ، پتیوں پہ شبنم
دورِ زماں کے لاکھوں موڑ، اک شاخِ حسیں کا خم
زندگیوں کے تپتے جزیروں پہ رکھ رکھ کے قدم
ہم تک پہنچی عظمتِ فطرت، طنطنۂ آدم
جھومتے کھیتو ! ہستی کی تقدیرو ! رقص کرو!
دامن دامن، پلو پلو، جھولی جھولی ہنسو!
چندن روپ سجو!
ہری بھری فصلو!
جگ جگ جیو پھلو! (۲۱)

اس نظم میں شاعر نے ہری بھری فصلوں کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ تم اس دیس کا رنگ روپ اور اس دھرتی کی ماں ہو، تمھی سے دیس کے سینے کے ارمان مست موسموں کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں بن کر اُبھرتے ہیں، تمھارے جھکتے ڈنٹھل ہیں، بالیاں اور دھوپ کھائے ہوئے کھلیاں گھر گھر میں خوشیوں کا جہاں آباد کرتے ہیں، تم شہر شہر، بستی بستی، انسانی زندگیوں کی ساتھی ہوا اور دامن دامن، پلو پلو، جھولی جھولی خوشبو کے انمول خزانوں سے بھری ہو، تمھیں یہ مقام کوئی ایک دن میں حاصل نہیں ہوا، بلکہ قرنوں کے انگار بجھ بجھ کر ہواؤں کا سانس بنے ہیں، صدیوں کے ہاتھے کا پسینہ پتیوں پر شبنم کے روپ میں نمودار ہوتا ہے، ماہ وسال کی گردش کے لاکھوں سوز ایک خوبصورت ٹہنی کے خوش نما جھکاؤ میں تبدیل ہوئے ہیں، انسان کی صدیوں پر پھیلی ہوئی محنت ومشقت کی بدولت روئے زمیں پر فطرت کو عظمت اور انسان کو شوکت ملی ہے، اے جھومتے کھیتو! تم دامن، پلو پلو، جھولی جھولی مسکراہٹیں اور خوشیاں تقسیم کرو، اللہ کرے تمھارا سنہری رنگ روپ تم پر ہمیشہ مسکراتا رہے، تم ہمیشہ کے لیے زندہ، شاداب سرسبز اور لہلاتی رہو۔ (۲۲)

۴۔ نسیم، بادِ صبا

محمود شعبان نے "لقا" کے عنوان پر موسم بہار کے تعلق سے ایک نظم لکھی ہے۔ موسم بہار کا تذکرہ محبت کے ساتھ ہوتا ہے، محبوب کا عشق موسم بہار کے عشق کی طرح ہوتا ہے:

مر النسیم فحیاني.. فقلت له: بورکت حي معي روحي فحیاه! (۲۳)

شاعر کہتا ہے: بادِ صبا کا گزر ہوا جس نے میرے اندر روح ڈال دی، پھر میں نے اس سے کہا کہ اللہ تجھے برکت دے کہ تو نے مجھے زندہ کر دیا۔

مجید امجد نے موسم بہار پہ " بہار" کے عنوان سے ایک مکمل نظم لکھی ہے، کہتا ہے:

ہر بار، اسی طرح سے دُنیا
سونے کی ڈلی سے ڈھالتی ہے
سرسوں کی کلی زرد مورت
تھاما ہے جسے خمِ ہوا نے
ہر بار، اسی طرح سے، شاخیں
کھلتی ہوئی کونپلیں اٹھائے
رستوں کے سلاخچوں سے لگ کر
کیا سوچتی ہیں.... یہ کون جانے
ہر بار، اسی طرح سے بوندیں،
رنگوں بھری بدلیوں سے چھن کر
آتی ہیں مسافتوں پہ پھیلے
تانبے کے ورق کو ٹھنٹھنانے
ہر سال، اسی طرح کا موسم
ہر بار، یہی مہکتی دُوری
ہر صبح، یہی کٹھور آنسو
رونے کے کب آئیں گے زمانے (۲۴)

۵۔ نظامِ شمسی

محمود شعبان نے "انس الوجود" کے عنوان سے ایک نظم کہی جس میں وہ سورج کے بارے میں بات کرتا ہے، کہتا ہے:

مالت الشمس علی أعتابه عند الغروب
وسجا اللیل فأصغیت الی همس الغیوب!
موکب یختال فی عزته مجد الشعوب
ورؤی من فتنة الوادی وأحلام القلوب! (۲۵)

یعنی غروب کے وقت سورج اس کے گھر کی چوکھٹ کی طرف مائل ہو، رات تاریک ہوگئی، پھر بادلوں نے سرگوشی سنائی، اور یہ جماعت اپنی عزت میں لوگوں کی مجد و بزرگی سے بہت آگے ہے۔

مجید امجد نے اپنی طویل نظم "نہ کوئی سلطنتِ غم نہ اقلیمِ طرب" کے ایک حصے "قمرِ کواکب" میں نظامِ شمسی کا نہایت ہی پرلطف وصف بیان کیا ہے۔ اس طرح سے کہ ہر ستارے کو علاحدہ علاحدہ وصف کے ساتھ متصف کردیا ہے، کہتا ہے:

وانموس:

ناچ ناچ جھوم جھوم   گھوم گھوم گھوم گھوم
دیکھنا ادھر ضرور   اِک نظر
ناچتا ہے نزد و دور   بے خبر
دامنِ نگارِ نور   تھام کر
کہکشاں کے موڑ پہ   فاصلوں کا اک ہجوم
ناچ ناچ   گھوم گھوم
وسعتِ ابد پناہ   اک ترنگ
عالمِ شبِ سیاہ   اِک امنگ
منزلیں، نشانِ راہ   سحر رنگ
شعلہ شعلہ انگ انگ   آگ آگ روم روم
گھوم گھوم   گھوم گھوم

فیبوس:

دیے جلتے رہے دیے چلتے رہے   گھم گھم اٹھے دھوئیں کے دَل
جگ جگ پھیل گئے کاجل
دم دم، دھم دھم، گرے محل
مٹی ہوئی صدیوں میں پل

ڈھلتے رہے
دیے جلتے رہے!
کتنے زمانے، کتنے سپن
توڑ گئے اپنے درپن
نیر بہاتے رہے نینن
وقت کے جھکڑ جگن جگن
جلتے رہے
دیے جلتے رہے!
اندھیاروں کے زہریے
آنکھوں کو گل رنگ کیے
اُمر اجالے لو میں لیے
جیون کی منڈلی میں دیے
جلتے رہے
دیے جلتے رہے!

اُرنا وس:

بھنور بھنور مری نو کا   کوئی ساحل ہے نہ کنارا
اک پھیلتا بڑھتا دھارا
بجے گھر گھر   مری نو کا ، بھنور بھنور

ہر آن رُتوں کا میلہ
ہرسمت سے کا ریلا
چلے گھر گھر   مری نو کا ، بھنور بھنور
بوجھ اٹھتے ہیں کڑیل جن کے
یہ دُکھ سکھ، بجتے تھکے
گریں اُبھر اُبھر   مری نوکا، بھنور بھنور

کہتی ہوئی من کی بانی
تقدیر جہاں کی رانی
پھرے سنور سنور مری نوکا، بھنور بھنور

پلوطو:

کتنی اندھیری رات ہے چمکو
چمکو
شام و سحر اوٹ سے ہر دم
چپیم
گھور رہے ہیں طوفاں ہم کو،
چمکو!

دیکھو، تیرگیوں کے فتنے،
کتنے
روند چلے عالم عالم کو
چمکو!
شنکھ میں لو اِک اِک پل کو
جھلکو!
من میں بجھا لو شعلۂ غم کو
چمکو!

آتے ہوئے قرنوں کا تبسم
ہم تم
جگمگ دمکو، جھم جھم جھمکو
چمکو
کتنی اندھیری رات ہے جھمکو
چمکو

کرارض:

نہ عکسِ خاک کہیں اور نہ رقصِ نور کہیں
نہ کوئی وادیِ ایمن نہ شمعِ طور کہیں
بجھی ہے راکھ میں غلطاں مئے طہور کہیں
پڑا ہے شیشۂ افلاک چور چور کہیں
پَلوں کے جھنڈ میں لرزے ابد کی پتنگ کوئی
نظر کے سامنے، حدِ نظر سے دُور کہیں
مقدروں کے جہاں در جہاں اندھیروں میں
بھٹک نہ جائے مرا شوقِ ناصبور کہیں
یہ اضطراب مسلسل کی خوں چکاں گھڑیاں
ہے ان سے بڑھ کے کوئی دولت سرور کہیں
اگر ہمیں بھری دنیا میں مُسکرا نہ سکے
تو ڈول جائیں گے یہ سلسلے ضرور کہیں (۲۶)

۲۔ آسمان

محمود شعبان کی نظموں میں آسمان کے موضوع پہ کوئی نظم نہیں ملتی ہاں البتہ جن اشعار میں فطرت کے اوصاف کو بیان کیا ہے ان میں آسمان کا ضمنی تذکرہ کیا ہے۔ جب کہ مجید امجد نے "ساتوں آسمانوں..." کے عنوان سے پوری ایک نظم کہی ہے:

ساتوں آسمانوں کے عکس اور کنکر آ آ کر گرتے ہیں خیالوں کے خانوں میں
یہ سب کچھ ان الگ الگ خانوں میں، اک وہ یکجا مخفی قوت ہے، جو
مجھ پر ظاہر تو نہیں لیکن جو یوں ہونے میں میری ہونی کے ساتھ ہے

میرے شعور کو اُن کا علم نہیں ہوتا، میں پل پل، جن جن وارداتوں میں بہہ جاتا
ہوں
اور اپنے ہونے کی جس جس ہونی میں ہوتا ہوں...
اور جب کوئی مجھے یوں سنبھالتا ہے جیسے وہ میرے ساتھ ہے!

اک یہ خود آ گاہ سی بے خبری جو میرے شعور کا جوہر بھی ہے
اور جو میرے شعور کے علم سے باہر بھی ہے
زندگی میں اک زندگی، آسمانوں سے آنے والی، ـــ مٹی جس کی روح ہے !(۲۷)

۷۔ جنگل

مجید امجد نے اپنی شاعری میں ریگستان کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس ماحول میں اس کی پرورش ہوئی، وہ ماحول ریگستان سے خالی تھا۔ جب کہ عربی شاعری میں ریگستان کا تذکرہ بڑی کثرت سے آیا ہے۔ لہذا مختلف زمانوں میں عربی شعرا اپنی شاعری میں ریگستان کا تذکرہ کرتے رہے ہیں۔

محمود شعبان نے بھی ''بیدا'' کے نام سے ریگستان پر پوری نظم کہی ہے، جس ریگستان میں وہ سرگرداں پھر رہا ہے:

بيداء! يا لحن الهدى والطهر في أعماق قلبي!
يا سر أشواقي ومعبد لهفتي ومراد حبي!
في صمتک الهادي قلوب الحائرين عبدت ربي!
أهواک يا بيداء لكني أخاف عليک جدبي!

******

بيداء! يا محراب أوهامي والهامي وقدسي
شيعت آمالي اليک فليتني شيعت نفسي!
ونسيت عندک يا صفاء الروح حرماني وتعسي
وحييت للغد مثلما أحيا على الدنيا لأمسي!

******

بيداء! ها أنذا سكبت على ثراک دمائيه!
ضيعت عمري فيک لكني وجدت بقائيه
سر الحياة هو الفنا .. وأنت سر حياتيه!
والجدب يبقى كالخلود له الحياة الثانية !(۲۸)

کہتا ہے: اے ہدی کے نغمہ! میرے دل کی طہارت، اے میرے شوقوں کے راز، میری عشق و محبت کا عبادت خانہ، تمھاری پرسکون خاموشی میں متحیر لوگوں کے دلوں نے میرے رب کی عبادت کی، اے جنگل! میں تم سے محبت کرتا ہوں، لیکن جو میرے دل میں خشکی ہے میں اس سے ڈرتا ہوں، اے میرے اوہام والہام اور پاکیزگی کے محراب، امیدیں تیری تابع ہوگئیں اے کاش میرا دل بھی تیرے تابع ہو جاتا، تمھارے پاس آ کر

میں اپنی محرومیت اور اپنے غم و آلام کو بھول گیا، گزرے ہوئے کل کی طرح آنے والے کل کے لیے میں دنیا میں زندہ رہا، تمھاری ریتلی زمین پہ خون بہائے گئے، تمھارے پیچھے میں نے اپنی عمر برباد کردی ہاں لیکن اس کی بقا کو میں نے پالیا، زندگی کا راز فنا ہے، اور تم زندگی کے راز ہو، اور خشکی ہمیشگی کی طرح باقی رہے گی اس کے لیے دوہری زندگی ہے۔

اس شاعری کو پڑھنے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاعر نے فطرت کے جامد عناصر کے وصف کو بیان کرنے میں کمال کیا ہے۔

اس طرح سے ہم اس کی مختصر نظموں میں جامعیت اور مکمل ربط پاتے ہیں، جب کہ اس کے اکثر اشعار میں موضوعاتی وحدت کا بھرپور اہتمام ملتا ہے۔ اسی طرح اس کے اشعار میں قصص اور صدق وجدانی بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے اکثر اشعار چھوٹے چھوٹے بندوں کی صورت میں ہیں، البتہ کھنڈرات سے آغاز کا اہتمام اس کے نزدیک نہیں ملتا۔ (۲۹)

جمالیات کے جس مسئلہ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ حسین معروض کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں اور انسان اس کی طرف کیوں متوجہ ہوتا ہے؟ اس نظریہ کی رو سے انسان موزوں شکل کو پسند کرتا ہے، اور اس کی وجہ فطرت کا موزوں شکل کو پسند کرنا ہے۔ اس ضمن میں انسان فطرت کا پیروکار رہے اور اس نے فطرت سے ایسی مربوط شکلوں کو پسند کرنا سیکھا ہے جن میں موزونیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ موزونیت کا انحصار توازن، تناسب، ساخت، ترتیب، اور تنظیم میں ہے اور فطرت اس معیار پر پوری اترتی ہے۔ حسین معروض کی بنیادی خصوصیات یہی ہیں اور ان ہی خصوصیات کی بنا پر انسان ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ (۳۰)

امجد و شعبان کی شاعری میں فطرت کے زندہ عناصر

فطرت کے زندہ عناصر میں پرندے، حشرات، اور جانور شامل ہیں جن کا تذکرہ شعرا نے اپنی شاعری میں کیا ہے۔ (۳۱)

ہمارے ان دونوں شاعروں نے اپنی شاعری میں بلبل اور چڑیوں کے ذکر پہ اکتفا کیا ہے۔ حشرات اور دیگر جانوروں پر کوئی نظم نہیں کہی ہے۔ بلبلوں اور چڑیوں کے تذکرے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی آواز گھنی ڈالیوں سے پھیلتی ہے جو محبت کو بڑھاتی ہے، مشاعر و احساسات میں حرکت پیدا کرتی ہے، دل میں چین و سکون کی روح پھونکتی ہے۔ محمود شعبان کہتا:

فهبني مع الأطيار بلبل أيكة   يلقن أسرار الهوى كل عابر(۳۲)

بلبلوں کے ساتھ مجھے گھنا درخت فرض کرلو ہر گزرنے والے کی محبت کے راز کو جان جاؤ گے۔

اسی طرح محمود شعبان نے "اغنی البلبل" کے نام سے ایک نظم لکھی ہے جس میں اس نے بلبل سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

طاف فی قلبی نشید بالمنی یملأ نفسی؟
وأنا البائس یا بلبل ما یهدأ یأسی
هذه کأسی ! فهل یرضیک أن تفرغ کأسی
لا غدی یضحک لی فیها ولا یرجع أمسی

*****

أیها البلبل ! انی ظامئ فارو لهاتی!
هات لی ما شئت یا ساحر من لحنک هات
وأدر کأسک بالحب لتحیا فیه ذاتی
سوف یفنی الجسد البالی وتبقی صبواتی !

****

نحن یا بلبل کأسان من الحب ملئنا!
نحن قلبان جریحان التقینا فهنئنا
نحن لحنان حبیبان الی مهدک جئنا
الغرام العف ما شئت من الدنیا وشئنا !(۳۳)

شاعر کہتا ہے: ایک نغمہ میرے دل کے اردگرد گھومنے لگا جس کی وجہ سے میرا دل خواہشات سے لبریز ہوگیا، جب کہ میں اے بلبل! نا امید ہوں جو نا امیدی کم نہیں ہوگی، یہ میرا پیالہ ہے کیا تم اسے خالی کرنا پسند کرو گے؟ نہ میرا آنے والا کل خوشگوار ہونے والا ہے، اور نہ ہی گزرا ہوا کل واپس آنے والا ہے، اے بلبل! میں بہت پیاسا ہوں، اپنے نغمے کی صورت میں سے جو چاہو مجھے دے دو! یا محبت کا پیالہ ہی عطا کردو تا کہ میں اسی کے سہارے زندہ رہوں، گلنے والا جسم فنا ہوجائے گا اور شوق باقی رہیں گے، اے بلبل! ہم دونوں محبت کے دو پیالے ہیں جو بھر چکے ہیں، ہم دو زخمی دل ہیں جو آپس میں ملے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی، ہم دو عاشق ہیں جو تمھارے گہوارے میں آئے ہیں، تمھاری ہی طرح ہم نے بھی دنیا سے پاک شدید محبت کے سوا کچھ نہیں چاہا۔

محمود شعبان فطرت کے زند عناصر کے آثار کو بیان کرتے ہوئے چڑیوں، باغوں، پھولوں کا تذکرہ کرتے ہوئے "مغرب الروح" کے نام سے پوری نظم کہی ہے، کہتا ہے:

تهیم نفسی فی الفضا الذی   کم هامت الأرواح فی طهره

مالي وللروض وأزهاره   ترعى يدي ما نام من زهره؟
مالي وللروض وأطياره   أبحث عما غاب من طيره؟
وأطعم العصفور حلو الجنى   وأدفع الأيام عن وكره!
مالي وللروض وأمواهه   أرقب من يشرب من نهره (۳۴)

میرا دل سرگرداں ہے اس فضا میں جس میں کتنی روحیں اپنی طہارت کے لیے سرگرداں رہی ہیں، میری کیا اوقات ہے جب کہ باغیچے کے پاس اس کے پھول ہیں، میرا ہاتھ ان کی نگرانی کرتا ہے جس کی وجہ سے باغ کا ایک بھی پھول مرجھاتا نہیں، میری کیا اوقات ہے جب کہ میں باغیچے کے غائب شدہ پرندے کو میں تلاش رہا ہوں؟ چڑیا کو میں سب سے اچھا کھانا کھلا رہا ہوں، اور اس کے گھونسلے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا رہا ہوں، میری کیا اوقات ہے جب کہ باغیچے کے پاس اس کے پانی ہیں، اس کے نہر سے پینے والوں کی میں دیکھ بھال کرتا ہوں۔

ایسے ہی مجید امجد نے بھی فطرت کے زندعناصر کے متعلق" بن کی چڑیا" کے عنوان سے پوری نظم لکھی۔ کہتا ہے:

صبح سویرے بن کی چڑیا - من کی بات بتائے
جنگل میں سرکنڈوں کی کونپل پہ بیٹھی گائے
ننھی چونچ پہ چوں چرچوں چرچوں کی چونچل بانی
کرن کرن پہ ناچ رہی ہے اس کے من کی کہانی
کیا گاتی ہے؟ کیا کہتی ہے؟ کون اس بھید کو کھولے؟
جانے دور کے کس ان دیکھے دیس کی بولی بولے؟
کون سنے، ہاں کون سنے، راگ اس کے راگ البیلے
سب کے سب بہرے ہیں - میداں، وادی، دریا، ٹیلے
ظالم تنہائی کا جادو ویرانوں پہ کھیلے!
دور سرابوں کی جھلمل روحوں پہ آگ انڈیلے!
نوک نوکیلے خار کھلنڈرے ہرنوں کو کلپائے!
گانے والی چڑیا اپنا راگ الاپے جائے (۳۵)

اسی طرح اس نے ''اے ری چڑیا'' کے عنوان سے بھی پوری ایک نظم لکھی ہے، کہتا ہے:

جانے اس روزن میں بیٹھے بیٹھے،
تو کس دھیان میں تیری، چڑیا، اے ری چڑیا!

بیٹھے بیٹھے تو نے کتنی لاج سے دیکھا
پیتل کے اس اک تل کو جو تیری ناک میں ہے
اپنی پت پر یوں مت ریجھ، خبر ہے، باہر
اک اک ڈاین آنکھ کی پتلی تیری تاک میں ہے
تجھ کو یوں چمکارنے والوں میں ہے اک جگ تیرا بیری،
چڑیا، اے ری چڑیا
بھولی، تو یوں اڑتی، پنکھ جھپکتی،
یہاں کہاں آ ٹھہری، چڑیا، اے ری چڑیا
یہ تو میرے دل کا پنجرا ہے، تو اس میں
اپنی ٹوٹی پھوٹی خوشیاں ڈھونڈنے آئی ہے؟
پگلی، یہاں تو ہے ہیرے کی کنی کا چوگا
اور اک زخمی سانس اس پنجرے کی انگنائی ہے!
اڑ اور مہکی ہوئی بن بیلویوں میں
جا چن اپنی لے، ری چڑیا، اے ری چڑیا! (۳۶)

ایسے ہی ”بہار کی چڑیا“ کے عنوان سے بھی پرندوں کا وصف بیان کرتے ہوئے مجید امجد نے پوری ایک نظم کہی ہے، ملاحظہ ہو:

اس کا سرما سارا گزرا، دور کہیں اک دھوپ کے گھر میں....
سرما، جو اس کا بچپن تھا---
اب جب دن بدلے ہیں اور ہوا کی ردا سے برف کے ٹانکے ادھڑنے لگے ہیں
نئی رتوں کی یہ بنجارن بھی دیواروں سے ٹکراتی
آ نکلی ہے، اپنے منگیتر کے ساتھ، اس کمرے میں
اڑتی چہکتی گاتی
چوں چوں، چچ چچ
آہا، یہ بھی کیسا اک بسرام ہے، روزن جن میں خوشیاں پنکھ سمیٹ کے چہکیں،
آنگن، جن میں پھول اور ریزۂ زرکا ارزن،
پل بھر تو اس طاق پہ بیٹھیں، چوں چوں، چچ چچ
لیکن اے ہے، کون ہے یہ اس شیش محلے میں اس جیسی

کون ہے پہلے سے یہ بیرن،
جھپٹ جھپٹ کر، اس نے اس چہرے پر کالک مل دی
اور اب وہ اور اس کا منگیتر دونوں،
گلے پھلا کر، کتنے تاؤ میں اس بے عکس آئینے کے آگے بیٹھے ہیں
باغی، جو ہر دور میں اپنے سائے سے لڑنے آتے ہیں (۴۷)

دونوں شاعروں کے اکثر اشعار میں موضوعاتی وحدت پائی جاتی ہے جو فطرت کے مظاہر کا احاطہ کرتی ہے، اسی وجہ سے یہ دونوں شاعر نظم کی روایتی ساخت کے مقید نہیں ہوتے، بلکہ براہِ راست اپنی غرض کو پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں ایسا معنوی ربط پایا جاتا ہے کہ ہر شعر پہلے آنے والے شعر کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے اور متعدد معنی کی روشنی میں رہنمائی کرتا ہے۔ وحدتیں یہ ہیں: شعوری وحدت، فکری وحدت، زمانی وحدت، موضوعاتی وحدت۔ (۴۸)

دونوں شاعروں کے نزدیک طبعی اشعار میں خیالات وافکار بالکل مربوط ہیں اور منطقی اعتبار سے باہم منسلک ہیں، جو سامع کو شاعر کے احساسات اور اس کی سچائی کا پتا دیتے ہیں، ان کی شاعری میں شعور کی گہرائی کے ساتھ معانی ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، جب کہ فکر واضح، پختہ اور مکمل بیدار ہوتی ہے۔

☆ دونوں شاعروں نے اپنے اکثر اشعار میں جامد اور متحرک ماحول کو ایک ساتھ مخلوط کیا ہے۔

☆ مجید امجد کی اکثر شاعری میں قصصی اسلوب واضح طور پہ جھلکتا ہے۔ اس کا موسیقی سے جدا رہنے کا بہت حد تک یہی سبب ہے۔

☆ دونوں شاعروں نے فطرت کو زندہ چیز کی طرح مانا ہے، اور فطرت کو اس طرح شمار کیا گویا وہ بھی غم وحزن میں شریک ہوتی ہے، اسی طرح دونوں شاعروں نے فطرت کو حادثہ کے عناصر میں سے ایک عنصر مانا ہے۔

☆ دونوں شاعر جامد اور متحرک عناصر فطرت کی عمدہ تصویر کشی میں درجۂ کمال پر ہیں۔ دونوں کے فطرت پر اشعار پرکشش، انوکھے ہیں جس میں فنی عناصر کامل طریقے سے پائے جاتے ہیں۔

☆ دونوں شاعروں کے نزدیک طبعی شعر میں خالص شعری تجربہ امتیازی طور پہ پایا جاتا ہے، اور یہ سچائی ہمیں ان کے ہر شعر میں ملتی ہے۔

☆ طبعی اشعار میں دونوں شاعروں کی زبان سہل اور آسان ہونے میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور تکلف، پیچیدگی، اور غموض سے بالکل خالی ہے۔ دونوں کے الفاظ بالکل سہل اور آسان ہیں، جس میں دل کو چھو لینے والی موسیقی ہے، اسی طرح ان کے الفاظ ایک سے زیادہ معانی ومفاہیم کے حامل ہیں، دونوں شاعروں کے نزدیک بہت کم اشعار ایسے ہیں جن میں الفاظ سخت اور غریب ہوں۔

☆ دونوں شاعروں کے اکثر اشعار میں موضوعاتی وحدت پائی جاتی ہے جو فطرت کے مظاہر کا احاطہ کرتی ہے۔ اسی وجہ سے دونوں نظم کی روایتی ساخت کے مقید نہیں ہوتے، بلکہ براہ راست اپنی غرض کو پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں ایسا معنوی ربط پایا جاتا ہے، کہ ہر شعر پہلے آنے والے شعر کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے اور متعدد معنی کی روشنی میں رہنمائی کرتا ہے۔ وحدتیں یہ ہیں: **شعوری وحدت**، **فکری وحدت**، **زمانی وحدت**، **موضوعی وحدت**۔

☆ دونوں شاعروں کے نزدیک طبعی اشعار میں خیالات وافکار بالکل مربوط ہیں اور منطقی اعتبار سے مسلسل منسلک ہیں، جو سامع کو شاعر کے احساسات اور اس کی سچائی کا پتا دیتے ہیں، ان کی شاعری میں شعور کی گہرائی کے ساتھ معانی ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہوئے ہیں، جب کہ فکر جامع پختہ اور مکمل بیدار ہے۔

☆ دونوں شاعروں کے نزدیک شعری موسیقی امتیازی حیثیت رکھتی ہے، موسیقی سے ہماری مراد اوزان اور قوافی ہیں۔

☆ مجید امجد کی نظمیں کسی بھی بین الاقوامی زبان کی منتخب شاعری کے مقابلے میں مکمل اعتماد کے ساتھ پیش کی جا سکتی ہیں۔

☆ مجید امجد فطرت کی کامل تصویر کشی کرتا ہے کہ وہ کامل عناصر اور مکمل خطوط کے ساتھ ہمارے سامنے منظر کی تصویر ابھرتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کلی اور جزئی متعدد تصویروں کے ساتھ اس کے بے شمار اشعار فطرتی مظاہر کے بارے میں وارد ہوئے ہیں، اور بے شمار تشبیہات وارد ہوئی ہیں جن کے ذریعہ شاعر اپنے معنی مراد تک پہنچتا ہے، اور یہ خوبی اس کے اندر اس کے اپنے ماحول سے پیدا ہوئی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) محمد خان اشرف، اردو تنقید کا رومانوی دبستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۱۴۴

(۲) محمد خان اشرف، رومانویت اور اردو ادب میں رومانوی تحریک، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص۱۹۲

(۳) محمود شعبان، تغريد، مطابع كوستاتسوماس وشركاه، القاهرة، الطبعة الأولى، ۱۹۶۵م، ص (المقدمة) أ

(۴) محمد زکریا، کلیات مجید امجد (تحقیق، تدوین، ترتیب)، الحمد پبلی کیشنز، اشاعت سوم، ۲۰۱۰ء، لاہور، ص۲۵_۳۳

(۵) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص۲۵_۳۳

(۶) ایضاً

(۷) نوری حمودی القیسی، الطبیعة فی الشعر الجاهلی، دار الارشاد، بیروت، الطبعة الأولی،
۱۹۷۰م، ص ۲۳۔ ۵۴

(۸) محمود السید شعبان، تغرید، ص ۶۰۔۶۴ (۹) ایضاً، ۱۰۰

(۱۰) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۴۷۴

(۱۱) محمود السید شعبان، تغرید، ص ۶۹۔۷۰ (۱۲) محمود السید شعبان، تغرید، ص ۷۷۔۸۴

(۱۳) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۲۴۹۔۲۵۰ (۱۴) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۲۵۱

(۱۵) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۳۶۹۔۳۷۰ (۱۶) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۷۱۰

(۱۷) محمود السید شعبان، تغرید، ص ۳۴ (۱۸) ایضاً، ص ۷۴

(۱۹) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۳۵۲ (۲۰) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۳۰۰

(۲۱) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۱۴۸۔۱۴۹

(۲۲) آبگینہ سرمایہ اردو (انشائیہ، معروضی، گرامر)، برائے سال دوم، جدید بک ڈپو، لاہور، ص ۳۲۶

(۲۳) محمود السید شعبان، تغرید، ص ۳۴ (۲۴) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۳۶۸

(۲۵) محمود السید شعبان، تغرید، ص ۹۱ (۲۶) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۲۹۴۔۲۹۹

(۲۷) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۶۴۸ (۲۸) محمود السید شعبان، تغرید، ص ۲۲۔۲۹

(۲۹) ابرایم عبد الرحمن الغنیم، الصورة الفنیة فی الشعر العربی، الشرکة العربیة للنشر
والتوزیع، القاهرة، ط۱، سنة ۱۹۹۶م، ص ۴۱

(۳۰) سعید احمد رفیق، تاریخ جمالیات، زمرد پبلی کیشنز کوئٹہ، اشاعت دوم، ۲۰۰۰، ص ۲۲۹

(۳۱) عیسی فارس وآخرون، مظاهر الطبیعة فی شعر حازم قرطاجنی، مجلة جامعة تشرین
للدراسات و البحوث العلمیة، سلسلة الآداب والعلوم الانسانیة، المجلد (۲۷)، العدد (۲)
۲۰۰۵م، ص ۹۹

(۳۲) محمود السید شعبان، تغرید، ص ۲۰ (۳۳) محمود السید شعبان، تغرید، ص ۴۲۔۵۰

(۳۴) ایضاً، ۱۲۳ (۳۵) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۹۳

(۳۶) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۵۱۰ (۳۷) محمد زکریا، کلیات مجید امجد، ص ۵۱۱

(۳۸) احمد پراچہ، اردو ادب کی ترقی پسند تحریک، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۰ء، ص ۴۳

* * *